دو بیٹیوں کی میراث سے متعلق مختلف آراء کا مقارناتی تجزیہ

A comparative analysis of different opinions regarding the inheritance shares of two daughters

ڈاکٹر سہیل انور[i] ڈاکٹر محمد آیاز[ii]

Abstract

Allah almighty has described the shares of different relatives in the inheritance of the demised person. Quran mentions the share of signle daughter as well as of more than two daughters, but remains silent regarding those of two daughters. Resultanty there is difference of opinion regarding the share of two daughters, based on arguments. Abdullah bin Abbas (RA) says that two daughters have the right of half inheritance, while other (majority) argue that they will be inherited with the two third shares.

The given article critically discusses the opinions of both sides with arguments and proves that the arguments of the majoriy are preferable that share of two daughters is two third of the interitance.

Key words: *Inheritance, Shares of two daughters, Two third, openion*

اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ شخص کے ترکے میں رشتہ داروں کے مختلف حصے مقرر فرمائے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک بیٹی کا حصہ ذکر کیا ہے کہ اس کو ترکے میں نصف ملے گا۔ اسی طرح دو بیٹیوں سے زائد کے لئے کل ترکے کا دو تہائی ہو گا، جب کہ دو بیٹیوں کے حصص کا واضح ذکر نہیں۔ چنانچہ ماہرین فن کی آراء میں اس حوالے سے اختلاف چلا آرہا ہے جس کی وضاحت مع دلائل ذیل کے پیرائے میں کی گئی ہے۔

بیٹیوں کی میراث کی متفق علیہ صورتیں

1. والدین کی میراث میں ایک بیٹی کا حصہ نصف ہے، جس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

"وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ[1]"

"اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ نصف ہے"

2. اسی طرح دو سے زیادہ بیٹیوں کا حصہ کل مال کا دو تہائی ہے، جس کی دلیل بھی درج ذیل نص قرآنی ہے:

"فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ [2]"

"اور اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی ہو گا"

یہ دونوں حصص امت مسلمہ کے نزدیک متفق علیہا ہے، جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہیں۔ البتہ دو بیٹیوں کو اپنے والدین کی میراث میں کتنا حصہ ملے گا؟ اس بابت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دو آراء منقول ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کی جاتی ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی میت کے مال کا آدھا ہے جس طرح کہ ایک بیٹی کا حصہ ہے[3]۔ ان

---

i لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، عبدالولی خان یونیورسٹی، مردان

ii اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ کالج، پشاور

کے علاوہ جمہور صحابہ کا قول یہ ہے کہ دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا[4]، جیسا کہ دو سے زیادہ بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے۔اس اختلاف کا مدار قرآن کی یہ آیت (فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ) ہے ۔اس میں فوق اثنتین کے الفاظ مذکور ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک بیٹی اور دو سے زیادہ بیٹیوں کے حصے نصف اور دو تہائی بالترتیب ذکر فرمائے ہیں لیکن دو بیٹیوں کا حصہ ذکر نہیں فرمایا،اس لئے دو بیٹیوں کا حصہ مختلف فیہ رہا۔

ان صحابہ کرام کے دلائل جو دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصے کے قائل ہیں

1. **اجماع:** یعنی دو تہائی کا ثبوت اجماع سے ہے۔ کیونکہ ابن عطیہؒ کا قول ہے:

"وقد أجمع الناس في الأمصار والأعصار على أن للبنتين الثلثين[5]."

" تمام علاقوں اور زمانوں کے علماء کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے۔"

امام قرطبیؒ اس دعویٰ کو رد کرکے کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول (دو بیٹیوں کا حصہ نصف) موجود ہے، لہٰذا اجماع ممکن نہیں[6]۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عذر پیش کی جاسکتی ہے کہ شاید وہ حدیث ان تک نہ پہنچی ہو جس میں آپ ﷺ نے سعد کی دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دیا تھا۔اس لئے انہوں نے یہ مسلک آیت کی ظاہر کو دیکھ کر اختیار کرلی ہو اور ان کو یہ سمجھ آئی کہ فوق اثنتین دو بیٹیوں کے حکم کے اثبات کے لئے نہیں ہے، بلکہ دو تہائی پر اضافے کی انتفاء کے لئے ہے[7]۔

اس کا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ شاید ابتدا میں ظاہر آیت کی بنیاد پر ابن عباس رضی اللہ نے مذکورہ بالا مسلک اختیار کیا ہو، لیکن حدیث پہنچنے کے بعد جمہور صحابہ کرام کے قول کی موافقت اختیار کی ہو۔اس لئے تو ابن عطیہؒ نے اس مسئلے کے اجماعی ہونے کی تصریح فرمائی۔ایک بات یہ بھی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ کی طرف منسوب قول کی صحت میں کلام ہو، جس کا ذکر آگے ہوگا۔

2. **دو بہنوں کے حصص پر قیاس:** ایک بہن کا حصہ اللہ نے ذکر فرمایا:

"وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ[8]"

دو بہنوں کے بارے میں فرمایا :

"فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ [9] "

لہٰذا دو بیٹیوں کا حصہ دو بہنوں کی طرح دو تہائی ہوگیا۔ کیونکہ بہن میت کی بیٹیوں سے بعید وارث ہے، تو جب ان میں دو کو دو تہائی ملتا ہے تو بیٹیوں کو بطریقہ اولیٰ یہی حصہ ملنا چاہیے۔البتہ اس قول پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بہنوں کا حصہ قرآن کی نص سے ثابت ہے جب کہ دو بیٹیوں کا حصہ نص قرآن میں مذکور نہیں[10] ،اور مقادیر میں قیاس کرنا جائز نہیں۔اس کا جواب علامہ آلوسیؒ نے اس طرح دیا ہے کہ ان کا حصہ (ثلثان) اشارۃ النص یا دلالت النص کی طریق سے ثابت ہے[11]۔

3. **آیت ہی سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:**

"يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ "

اولاد میں سے کم از کم اجتماع ایک بیٹا اور ایک بیٹی کی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ایک بیٹی کا حصہ ایک بیٹے کی موجودگی میں ایک تہائی بنتا ہے، کیونکہ دو تہائی اس کے بھائی کو ملے گا، تاکہ مذکر کو دو مونث کے برابر حصہ ملے۔ جب اس بیٹی کے ساتھ اور بھی بیٹی ہو تو بطریقہ اولیٰ اس کو تہائی ملنی چاہئے۔ لہٰذا جب ایک کو بھی تہائی ملے اور دوسرے کو بھی تو اس طرح دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہو جائے گا[12]۔ یہ قول قاضی اسماعیل ا ورابو العباس المبرد کی ہے[13]۔

نحاسؒ اس قسم کے استدلال کو غلط قرار دیتے ہیں، کیونکہ اختلاف دو بیٹیوں کے حصے میں ہے ایک بیٹی کے حصے میں نہیں۔ اگر میت کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہو، پھر مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق دو بیٹیوں کا حصہ نصف ہو گا۔ تب ہی مذکر کو دو مونث کے برابر حصہ ملے گا[14]۔

لیکن علامہ زیلعیؒ نے ذکر کیا ہے کہ کم سے کم اجتماع کو دیکھا جائے گا، اور کم سے کم اجتماع میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بیٹی کو تہائی ملتا ہے۔ جب بیٹیاں دو ہوں تو بھی ہر بیٹی کا حصہ تہائی ہونا چاہئے۔ اس طرح دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی بن جائے گا[15]۔

4. **فوق زائد ہے؛** یعنی مذکورہ آیت کی تعبیر یوں ہو گی؛إن کن نساء اثنتین۔ اس کی مثال قرآن ہی میں ہے:

"فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ[16] یعنی الأعناق ."

اس قول کو نحاسؒ اور ابن عطیہؒ نے رد کر کے فرمایا ہے، کہ کلام عرب میں ظروف اور تمام اسماء بغیر کسی وجہ کے زائد ہونا ممنوع ہے

"لأن الظروف وجميع الأسماء لا يجوز في كلام العرب أن تزاد لغير معنى[17]."

ابن عطیہؒ مزید فرماتے ہیں:

" فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ میں بھی فوق زائد نہیں، بلکہ محکمہ ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے کہ گردن کی مار کے لئے ضروری ہے کہ ہڈی کے اوپر جوڑ میں ہو، نہ کہ دماغ میں۔ جیسا کہ درید ابن صمہ نے کہا ہے کہ دماغ سے نیچے اور ہڈی کے اوپر مارو، کیونکہ میں بھی پہلوانوں کی گردن اس طرح مارتا ہوں[18]"

اس کی طرف علامہ ابن کثیرؒ نے ان الفاظ سے اشارہ کیا:

"وقوله:فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ۔قال بعض الناس: قوله: فوق زائدة وتقديره: فإن كنّ نساء اثنتين كما فى قوله تعالى :فَاضْرِبُوا فَوْقَ الأَعْنَاقِ۔وهذا غير مُسَلَّم لا هنا ولا هناك؛ فإنه ليس في القرآن شيء زائد لا فائدة فيه وهذا ممتنع، ثم قوله:فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ لو كان المراد ما قالوه لقال: فلهما ثلثا ما ترك[19]."

"آیت فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ کی تاویل میں **بعض** علماء نے فرمایا کہ فوق زائد ہے اور آیت کی تقدیر یوں ہے فإن كنّ نساء اثنتين۔ اس کی نظیر آیت فَاضْرِبُوا فَوْقَ الأَعْنَاقِ ہے۔ لیکن مذکورہ توجیح نہ اِس آیت کی ضمن میں قبول ہے نہ اُس آیت کی ضمن میں، کیونکہ قرآن میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے جو بے فائدہ اور زائد ہو مزید برآں اگر آیت سے مراد وہ ہوتی جو ان لوگوں نے ذکر فرمایا ہے تو فلهما ثلثا ما ترك کہنا چاہئے تھا۔"

5. **فوق، صلہ اور تاکید کے لئے ہے؛** آیت کی تعبیر یوں ہو گی: فإن كنّ نساء اثنتين مراد دو یا دو سے زیادہ ہیں اور آیت میں تقدیم وتاخیر ہے[20]۔ یہ تاویل بھی بغیر دلیل کے ہے اس لئے کمزور ہے۔

6. سنت رسول اللہ ﷺ سے استدلال

"سُئِلَ أَبُو مُوسَى ، عَنِ ابْنَةٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلِلأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِلاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلاِبْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ : لاَ تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ [21]."

"سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے بیٹی، پوتی اور بہن کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ بیٹی کو آدھا ملے گا اور باقی آدھا بہن کو ملے گا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر پوچھو، امید ہے وہ بھی میری پیروی کر کے یہی جواب دے گا۔ انہوں نے جا کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے قول سے ان کو آگاہ کیا، تو انہوں نے فرمایا؛ اگر میں ان جیسا کہوں تو میں گمراہ ہو جاوں گا اور ہدایت نہیں پاوں گا۔ میں اس مسئلے میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ ان کا کل حصہ دو تہائی مکمل ہو جائے، اور جو رہ جائے وہ بہن کو ملے گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو ابن مسعود رضی اللہ کے قول کے بارے میں کہا۔ تو انہوں نے کہا کہ جب تک آپ میں یہ عالم موجود ہو مجھ سے مسائل مت پوچھئے"

استدلال اس طرح سے ہے کہ جب میت کی پوتی اور بیٹی کا حصہ دو تہائی ہے تو بیٹیوں کا حصہ بطریقہ اولیٰ دو تہائی ہونا چاہئے، کیونکہ میت کی اولاد میت کے اولاد کی اولاد سے زیادہ قریب اور قوی ہیں۔

7. علامہ زیلعیؒ کا استدلال

"أَنَّ النِّصْفَ سَهْمٌ لَمْ يُجْعَلْ فِيهِ اشْتِرَاكٌ ؛ بَلْ شُرِعَ مُخْلَصًا لِلْوَاحِدَةِ ، بِخِلَافِ الثُّلُثَيْنِ فَإِنَّهُ سَهْمُ الِاشْتِرَاكِ بِدَلِيلِ دُخُولِ الثَّلَاثِ فِيهِ فَمَا فَوْقَهُنَّ ؛ فَدَخَلَتْ فِيهِ الِاثْنَتَانِ مَعَ الثُّلُثِ دُخُولَ الثَّلَاثِ مَعَ مَا فَوْقَهُنَّ[22]."

"نصف مشترک حصہ نہیں ہے کیونکہ یہ صرف ایک بیٹی کا حصہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ دو تہائی میں اشتراک ہے۔ اس دلیل کے ساتھ کہ اس حکم میں تین اور زیادہ بیٹیاں داخل ہیں، تو جس طرح اس میں تین بیٹیاں ایک تہائی تک شریک ہو سکتی ہیں اسی طرح اس میں دو بیٹیاں بھی شریک ہو سکتی ہیں"

8. قرآن نے واحد اور جمع کا حکم ذکر کیا اور تثنیہ کا حکم چھوڑا

اب دو بیٹیوں کے میراث کا حکم یا تو واحد کا ہوگا، جو نصف ہے، یا جمع کا، جو ثلثان ہے۔ جمع کا حکم لگانا زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں ضم کا معنی مشترک ہے۔ یہ بات بہنوں کی میراث کے حکم سے بھی مستفاد ہو سکتی ہے کہ وہاں پر بھی دو بہنوں کا حکم جمع کا حکم ہے [23]۔

9. رسول اللہ ﷺ کا سعد بن ربیع کی دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی کا فیصلہ

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ؛

"جاءت امرأة سعد بن الربيع فقالت:يا رسول الله هاتان ابنتا سعد الربيع قتل أبوهما معك يوم أحد شهيدا و أن عمهما أخذ مالهما فلم يدع مالا فقال:يقضي الله في ذلك فنزلت آية الميراث فأرسل رسول الله صلى الله عليه و سلم إلى عمهما فقال:أعط ابنتي سعد الثلثين و أمهما الثمن و ما بقي فهو لك[24] "

"سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی آکر آپ ﷺ سے کہنے لگی؛ یہ سعد کی دو بیٹیاں ہیں جن کے والد آپ کے ساتھ احد میں شریک ہو کر شہید ہوئے۔ ان کے چچا نے ان کے مال پر قبضہ جما کر ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ فرمائے گا تو میراث کی آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے چچا کے پاس پیغام بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دے دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں دے دو، جو باقی رہ جائے وہ آپ لے لو"

یہی دلیل مذکورہ بالا تمام دلائل سے زیادہ قوی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کتاب اللہ کی تخصیص سنت رسول کے ساتھ جائز نہیں۔ یہ تو کتاب اللہ کے حکم کو منسوخ کرنا ہے۔ اس کا جواب علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے:

"ودليله بيان السنة فان الآية لما كانت محتملة بينت السنة أن حكمهما حكم ما زاد عليهما وذلك واضح في سبب النزول فان العم لما منع البنتين من الإرث وشكت ذلك أمهما قال صلى الله عليه و سلم لها يقضي الله في ذلك فنزلت آية الميراث فأرسل إلى العم فقال أعط بنتي سعد الثلثين فلا يرد على ذلك أنه يلزم منه نسخ الكتاب بالسنة فإنه بيان لا نسخ[25]."

"دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی کی دلیل سنت کے ذریعے آیت کی تفسیر ہے کیونکہ آیت (دونوں وجوہ کی) محتمل تھی تو سنت نے یہ وضاحت کر دی کہ دو بیٹیوں کا حکم بھی ویسا ہے جیسا کہ دو سے زیادہ کا ہے یہی بات سبب نزول سے واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ جب چچا نے میت کی دو بیٹیوں کو میراث سے محروم کر دیا اس کی شکایت ان کی ماں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کر دی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اس ضمن میں میراث کی آیت نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا اور فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دے دو۔ اس سے یہ اعتراض لازم نہیں آتا کہ اس سے سنت کے ذریعے کتاب اللہ کی نسخ لازم آتی ہے کیونکہ یہ سنت کے ذریعے کتاب اللہ نسخ نہیں بلکہ اس کی بیان اور وضاحت ہے۔"

علامہ زیلعیؒ نے کنز الدقائق کی شرح میں قاعدہ تحریر فرمایا ہے:

"تَخْصِيص الشَّيْءِ بِالذِّكْرِ لَا يَنْفِي الْحُكْمَ عَمَّا عَدَاهُ"

لہٰذا جمع (تین یا زیادہ) کا حکم قرآن سے اور دو کا حکم سنت رسول سے ثابت ہوا۔ مزید براں علامہ موصوف لکھتے ہیں:

" کبھی کبھی جمع سے دو بھی مراد لئے جاتے ہیں، خصوصاً میراث کی باب میں جیسا کہ آیت کے مطابق آپ ﷺ نے سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دیا جس کا تذکرہ قرآن میں جمع کے لئے آیا ہے[26]"

10. اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کی بابت دو سے زائد کا تذکرہ کیا اور دو کا تذکرہ نہیں کیا اور بہنوں میں سے دو کا ذکر فرما کر زائد کو چھوڑ دیا، تاکہ بنات کی آیت سے اخوات کی اور اخوات کی آیت سے بنات کے احوال جاننے میں ایک دوسرے پر اکتفاء کیا جائے۔ کیونکہ قرآن ایک کلمہ کی طرح ہے اس کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں[27]۔

11. علامہ سہیلی کا استدلال

"يؤخذ ذلك من المجيء بلام التعريف التي للجنس في قوله حظ الأنثيين فإنه يدل على انهما استحقا الثلثين وأن الواحدة لها مع الذكر الثلث وكان ظاهر ذلك أنهن لو كن ثلاثا لاستوعبن المال فلذلك ذكر حكم الثلاث فما زاد واستغنى عن إعادة حكم الأنثيين لأنه قد تقدم بدلالة اللفظ[28]."

"حظ الانثیین میں مذکور الف لام سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ جنس کے لئے ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے اور یک بیٹے کے ساتھ ایک بیٹی کا حصہ ایک تہائی ہے اس کے ظاہر سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ کہ اگر بیٹیاں تین ہوتیں تو سارے مال کو سمیٹ لیتیں اسی بناء پر آیت میں تین اور اس سے زیادہ بیٹیوں کا حکم ذکر فرمایا اور دو بیٹیوں کے حکم کی اعادے کی حاجت نہ رہی کیونکہ ان کا حکم پہلے ہی لفظ کی دلالت سے معلوم ہوئی۔"

12. علامہ زمخشریؒ کا استدلال

"وجهه أن الذكر كما يجوز الثلثين مع الواحدة فالاثنتان كذلك يحوزان الثلثين فلما ذكر ما دل على حكم الثنتين ذكر بعده حكم ما فوق الثنتين[29]."

"جس طرح بیٹا ایک بیٹی کی موجودگی میں دو تہائی سمیٹ لیتا ہے اسی طرح دو بیٹیاں بھی دو تہائی کی حق دار ہوگی لہٰذا جب ذکر فرمایا جو دو بیٹیوں کے حکم پر دلالت کرتا ہے اس کے بعد دو سے زیادہ کا حکم ذکر فرمایا۔"

13. علامہ نحاس نے اخیافی بھائی بہنوں اور حقیقی بہنوں پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے۔

"والدليل أنه جعل فرض الاخوات والاخوة للام اذا كن اثنتين أو أكثر واحدا فقال عز و جل وان كان رجل يورث كلالة أو امرأة وله أخ أو أخت فلكل واحد منهما السدس فان كانوا أكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث ودليل آخر أنه جعل فرض الاخت كفرض البنت فلذلك يجب أن يكون فرض البنتين كفرض الاختين[30]

"دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہونے پر پہلا دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اخیافی بھائی بہن چاہے دو ہو یا زیادہ کا حصہ یکساں مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وان كان رجل يورث كلالة أو امرأة وله أخ أو أخت فلكل واحد منهما السدس فان كانوا أكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث[31]. دوسرا دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہن کا حصہ ایک بیٹی کی طرح مقرر کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو بہنوں جیسا ہو۔"

دو بیٹیوں کا حصہ نصف ہونے کے قائلین کے دلائل

یہ قول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کی طرف سے ذکر کردہ دلائل درج ذیل ہیں۔

1. آیت کی ظاہر سے استدلال

اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے لئے دو تہائی کی استحقاق کے لئے شرط یہ ٹھہرائی کہ بیٹیاں دو سے زیادہ ہو اور جو حکم شرط کے ساتھ معلق ہو وہ شرط کے نہ پائے جانے سے معدوم ہوتا ہے۔

جواب: اس آیت میں اگرچہ تین اور زیادہ بیٹیوں کا حکم ہے، لیکن کسی حکم کو شرط سے معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو کا حکم ہی اس شرط کے عدم کی وجہ سے معدوم ہو جائے، بلکہ اس کے بیان کے لئے الگ دلیل کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی حدیث نے دو کی حالت کو بیان کیا کہ ان کا حق بھی دو تہائی ہے[32]۔

2. دو بیٹیوں کا حکم معلوم نہیں۔ اب اس کو یا تو ایک بیٹی کے حصے کا اعتبار کیا جائے گا یا دو سے زیادہ۔ ایک بیٹی کے ساتھ اس کے حصے کا اعتبار کرنا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ مافوق الاثنین کے ساتھ اعتبار کرنے سے منصوص شرط کا ابطال لازم آتا ہے۔ حالانکہ ایسا قیاس کرنا جس سے نص کا حکم باطل ہو جائز نہیں[33]۔

3. اشارۃ النص سے استدلال

آیت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ اب جس نے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑے ہو تو بیٹے کو نصف ملے گا اور باقی نصف دو بیٹیوں کو ملے گا۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ نصف ہے[34]۔"

4. آیت میں ضمیر فلھن سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو تہائی جمع کے لئے ہے، اور اہل لغت کے ہاں متفق علیہا جمع تین ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ جمع کا اثبات تین سے کم افراد کے لئے نہیں ہو سکتا، تو دو بیٹیوں کے حکم کا الحاق ایک بیٹی کے ساتھ کیا جائے گا، نہ کہ مافوق اثنتین کے ساتھ۔

بحث: تثنیہ معنی اور حکم دونوں کے اعتبار سے جمع کی مانند ہے۔ تثنیہ کی حالت میں جمع کی حالت کا معنیٰ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں ایک فرد کا دوسرے کے ساتھ انضمام اور اجتماع پایا جاتا ہے۔ اور جمع کا یہی معنی ہوتا ہے۔ حکم کے اعتبار سے بھی تثنیہ جمع کی طرح ہے، امام جس طرح زیادہ افراد سے مقدم ہو گا اسی طرح دو افراد سے بھی مقدم ہو گا۔

"الِاثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ[35]۔"

"دو اور دو سے زیادہ افراد جماعت کی حکم میں ہیں۔"

نحاسؒ نے بھی دو افراد کو جمع کے حکم میں ہونے کے لئے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

"أجمعت الفقهاء أن الاخوة اثنان فصاعدا الا ابن عباس فانه قال لا يكون الاخوة أقل من ثلاثة والدليل على أن الاثنين يقال لهما اخوة قوله وان كانوا اخوة رجالا ونساء فلا اختلاف بين أهل العلم أن هذا يكون للاثنين فصاعدا والاثنان جماعة لانه واحد جمعته الى آخر وقال وأطراف النهار يعني طرفيه والله أعلم وصلاة الاثنين جماعة[36]."

دو افراد کے لئے اخوۃ (جمع) لفظ سے تعبیر کرنے کی دلیل

أ- وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً ہے۔ اہل علم میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں کہ یہ دو اور دو سے زیادہ کو شامل ہے۔

ب- دو جماعت ہے کیونکہ اس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

ت- قرآن میں جمع کا صیغہ استعمال کر کے دو مراد لئے گئے ہیں، جیسے وأطراف النهار سے مراد دن کے دونوں اطراف ہیں۔

ث- دو افراد کا اکھٹے نماز پڑھنا جماعت کہلاتا ہے۔

دلائل کی چھان بین اور قولِ راجح

دونوں آراء کے دلائل پر غور کیا جائے تو جانبین کے تمام تر دلائل اجتہادی اور احتمالی ہیں، سوائے جمہور کے دو دلائل کے جو نقلی ہیں۔ اس لئے مسلک جمہور درج ذیل وجوہ کی بناء پر راجح ہے۔

أ- تمام صحابہ کے قول کے مقابلے میں منفرد صحابی کی قول کو شاذ قرار دیا جاتا ہے۔

ب- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کے لئے کوئی نقلی موئید نہیں۔ اس کے بر خلاف جمہور صحابہ کے مسلک کی تائید حدیث صحیح سے ہے، اور قرآن کی تفسیر جب صحیح حدیث سے ہو جائے، تو وہ نص قرآنی کے حکم میں ہوتا ہے۔

ت- سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بابت علامہ ابن حجرؒ کی تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان تک یہ حدیث نہیں پہنچ چکی ہو گی۔

ث- علامہ ابن عطیہؒ کی تصریح کے مطابق اگر اجماعی مسئلہ ہو تو ممکن ہے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ نے اپنے مسلک سے رجوع فرمائی ہو، جب ان تک حدیث پہنچ چکی ہو۔ یہ محض باحث کی رائے ہے۔

ج- قرآن میں آیات المواریث کے مجموعی اسلوب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اولاد کو میراث میں اخوات پر ترجیح دی گئی ہے۔ اب اس قاعدہ کے مطابق جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسلک اسلوب قرآن کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ دو بہنوں کو دو تہائی دے کر دو بیٹیوں کو نصف دینا بہنوں کو میراث کی بابت بیٹیوں پر ترجیح دینا ہے، جو اسلوب و انداز قرآن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ مذکر اولاد کی وجہ سے بھائی بہن میراث سے محروم ہوتے ہیں، تو ترجیح اولاد کو ہے نہ کہ اخوات کو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب سنت رسول نے وضاحت فرمائی تو وہی وضاحت تمام عقلی اور اجتہادی دلائل سے فائق ہے۔

ح- علامہ ابن عبد البرؒ کی تصریح کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ کی طرف منسوب قول کی نسبت ٹھیک نہیں۔ بلکہ یہ روایت منکر ہے، اور ایک صحیح روایت میں ان سے جمہور کے قول کی طرح قول منقول ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ اجماعی بن گیا جس کی طرف علامہ موصوف نے ان الفاظ میں صراحت فرمائی ہے:

"وما أعلم فی هذا خلافا بين علماء المسلمين إلا رواية شاذة لم تصح عن بن عباس انه قال للأنثيين النصف كما للبنت الواحدة حتى تكون البنات أكثر من اثنتين فيكون لهن الثلثان وهذه الرواية منكرة عند أهل العلم قاطبة كلهم ينكرها ويدفعها بما رواه بن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن بن عباس أنه جعل للبنتين الثلثين وعلى هذاجماعةالناس وقد روي عن النبي من أخبار الأحاد العدول مثل ما عليه الجماعة في ذلك[37]

"مذکورہ مسئلے میں مجھے کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوا البتہ ایک شاذ روایت ملی جس کی نسبت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف ٹھیک نہیں ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو بیٹیوں کا حصہ نصف ہے جس طرح کہ ایک بیٹی کا حصہ ہے جب تک کہ بیٹیاں دو سے زائد نہ ہو چکے ہو جب دو سے زیادہ ہو جائے تو اس صورت میں ان کو دو تہائی حصہ ملے گا۔ یہ روایت تمام بڑے علماء کے نزدیک منکر ہے تمام اس کو رد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں یہ روایت ہے کہ جس کی سند کچھ یوں ہے ابن شہاب نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کیا ہے وہ عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی مقرر کیا اور یہی مسئلہ اجماعی ہے۔"

خلاصہ بحث

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دو بیٹیوں کی میراث کا قضیہ صحابہ کرام کے دور سے مختلف فیہ معلوم ہوتا ہے۔ دو طرفہ دلائل کے محاکے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو سے زائد کے حصّے (دو تہائی) کے مثل ہے، جو راجح، مجمع علیہ اور اسلاف کے ہاں معمول بہا ہے۔ اس کے برعکس عورتوں کے لئے نصف حصّے کا موقف جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ کی طرف منسوب ہے اس کی سند منکر ہے اور ان سے صحیح سند کے ساتھ ایک روایت منقول ہے جو جمہور کی رائے کے مطابق ہے۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کی نسبت محل نظر ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 سورۃالنساء ۴ : ۱۱
2 ایضا
3 ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، قولہ باب میراث البنات ۱۲: ۱۵، دار معرفہ بیروت، ۱۳۷۹ھ
4 زیلعی، عثمان بن علی، تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق ۱۸: ۴۰۳، المطبعہ الکبری الأمیریہ، بولاق، قاہرہ، ۱۳۱۳ھ
5 ابن عطیہ، عبدالحق بن غالب، المحرر الوجیز ۲: ۸۰، مطبع و سن اشاعت نامعلوم
6 قرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن (تفسیر القرطبیؒ) ۵: ۶۳، دار الکتب المصریہ - قاہرہ، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء
7 ابن رجب، زین الدین عبدالرحمن بن أحمد، فتح الباری شرح صحیح البخاری، قولہ باب میراث البنات ۱۲: ۱۵، مکتبہ الغرباء الأثریہ، ۱۴۱۷ھ
8 سورۃالنساء۱۷۶:۴
9 سورۃالنساء۱۱:۴
10 تفسیر القرطبیؒ ۵: ۶۳
11 آلوسی، محمود بن عبداللہ، تفسیر روح المعانی (تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی) دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
12 تفسیر القرطبیؒ ۵: ۶۳
13 نفس مصدر
14 تفسیر القرطبیؒ ۵: ۶۳
15 تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق ۱۸: ۴۰۳
16 سورۃالانفال ۸: ۱۲
17 تفسیر القرطبیؒ ۵: ۶۳
18 تفسیر المحرر الوجیز ۲: ۸۰
19 ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم ۲: ۲۲۴، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء
20 الرازی، محمد بن عمر، تفسیر مفاتیح الغیب ۹: ۵۱۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ
21 البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، حدیث (۶۷۶۳) دار الشعب— قاہرۃ، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء
22 ابن العربی، محمد بن عبداللہ، تفسیر احکام القرآن ۲: ۱۹۷، مطبع و سن اشاعت نامعلوم
23 تبیین الحقائق ۱۸: ۴۰۳
24 امام حاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین ۴: ۳۷۰، حدیث (۷۹۵۴) دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء
25 فتح الباری شرح صحیح البخاری، قولہ باب میراث البنات ۱۲: ۱۵
26 تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق ۱۸: ۴۰۳
27 القرافی، احمد بن ادریس، الذخیرۃ ۱۳: ۳۰، دار الغرب، بیروت، ۱۹۹۴ء
28 فتح الباری ۱۲: ۱۵

29 زمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التأویل ۱: ۴۸۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۹ھ

30 نحاس، احمد بن محمد، معانی القرآن الکریم ۲: ۳۰، جامعہ ام القریٰ، ۱۴۰۹ھ

31 سورۃ النساء ۴: ۱۲

32 السرخسی، محمد بن احمد، مبسوط، کتاب الفرائض، باب الاولاد ۳۲: ۲۷۲، مطبع نامعلوم، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء

33 نفس مصدر

34 مبسوط، کتاب الفرائض، باب الاولاد ۳۲: ۲۷۲

35 نفس مصدر

36 معانی القرآن ۲: ۳۰

37 ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستذکار، باب میراث الصلب ۵: ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء